ممکن ہی نہ تھا جو دنیا کے اندر سے ہو کر گزرتا ہو۔ ان کے نزدیک روح کو پروان چڑھانے کے لیے جسم کو مضمحل کرنا ضروری تھا اس لیے انہوں نے ایسی ریاضتیں ایجاد کیں جو نفس کو مارنے والی اور جسم کو بے حس یا بے کار کردینے والی ہوں۔ روحانی تربیت کے لیے جنگلوں، پہاڑوں اور عزلت کے گوشوں کو انہوں نے موزوں ترین مقامات سمجھا تاکہ تمدن کا ہنگامہ گیان دھیان کے مشغلوں میں خلل نہ ڈالنے پائے۔ روح کے نشوونما کی کوئی صورت انہیں اس کے سوا ممکن نظر نہ آئی کہ دنیا اور اس کے دھندوں سے دستکش ہو جائیں اور ان سارے رشتوں کو کاٹ پھینکیں جو اسے مادیات کے عالم سے وابستہ رکھتے ہیں۔

پھر جسم و روح کے اس تضاد نے انسان کے لیے کمال کے بھی دو مختلف مفہوم اور نصب العین پیدا کر دیئے۔ ایک طرف دنیوی زندگی کا کمال جس کا مفہوم یہ قرار پایا کہ انسان صرف مادی نعمتوں سے مالا مال ہو اور اس کی انتہا یہ ٹھہری کہ آدمی ایک اچھا پرندہ، ایک بہترین مگرمچھ، ایک عمدہ گھوڑا اور ایک کامیاب بھیڑیا بن جائے۔ دوسری طرف روحانی زندگی کا کمال جس کا مفہوم یہ قرار پایا کہ انسان کچھ فوق الفطری طاقتوں کا مالک ہو جائے اور اس کی انتہا یہ ٹھہری کہ آدمی ایک اچھا ریڈیو سیٹ، ایک طاقتور دوربین اور ایک نازک خوردبین بن جائے، یا اس کی نگاہ اور اس کے ہاتھ ایک پورے دواخانے کا کام دینے لگیں۔

اسلام کا نقطۂ نظر اس معاملہ میں دنیا کے تمام مذہبی اور فلسفیانہ نظاموں سے مختلف ہے۔ وہ کہتا ہے کہ انسانی روح کو خدا نے زمین پر اپنا خلیفہ مقرر کیا ہے۔ کچھ اختیارات، کچھ فرائض اور کچھ ذمہ داریاں اس کے سپرد کی ہیں۔ اور انہیں ادا کرنے کے لیے ایک بہترین اور موزوں ترین ساخت کا جسم اسے عطا کیا ہے۔ یہ جسم اس کو عطا ہی اس لیے کیا گیا ہے کہ وہ اپنے اختیارات کے استعمال اور اپنی متعلقہ خدمات کی انجام دہی میں اس سے کام لے۔ لہٰذا یہ جسم اس روح کا قید خانہ نہیں بلکہ اس کا کارخانہ ہے۔ اور اس روح کے لیے کوئی ترقی اگر ممکن ہے تو اسی طرح ممکن ہے کہ وہ اس کارخانے کے آلات اور طاقتوں کو استعمال کر کے اپنی قابلیتوں کا اظہار کرے۔ پھر یہ دنیا کوئی دار العذاب نہیں ہے جس میں انسانی روح کسی طرح آ کر پھنس گئی ہو، بلکہ یہ تو وہ کارگاہ ہے جس میں کام کرنے کے لیے خدا نے اسے بھیجا ہے۔ یہاں کی بے شمار چیزیں اس کے تصرف میں دی گئی ہیں۔ یہاں دوسرے بہت سے انسان اسی خلافت کے

انجام دینے کے لئے اس کے ساتھ پیدا کئے گئے ہیں۔ یہاں فطرت کے تقاضوں سے تمدن، معیشت، معاشرت، سیاست، اور دوسرے شعبہائے زندگی اُس کے لئے وجود میں آئے ہیں۔ یہاں اگر کوئی روحانی ترقی ممکن ہے تو اس کی صورت یہ نہیں ہے کہ آدمی اس کارگاہ سے منہ موڑ کر کسی گوشے میں جا بیٹھے، بلکہ اس کی صورت صرف یہ ہے کہ وہ اس کے اندر کام کر کے اپنی قابلیت کا ثبوت دے۔ یہ اس کے لئے ایک امتحان گاہ ہے زندگی کا ہر پہلو اور ہر شعبہ گویا امتحان کا ایک پرچہ ہے۔ گھر، محلہ، بازار، منڈی، دفتر، کارخانہ، مدرسہ، کچہری، تھانہ، چھاؤنی، پارلیمنٹ، صلح کانفرنس اور میدانِ جنگ، سب مختلف مضمونوں کے پرچے ہیں جو اسے کرنے کے لئے دیئے گئے ہیں۔ وہ اگر ان میں سے کوئی پرچہ بھی نہ کرے یا اکثر پرچوں کو سادہ ہی چھوڑ دے تو نتیجہ میں آخر صفر کے سوا اور کیا پا سکتا ہے۔ کامیابی اور ترقی کا امکان اگر ہو سکتا ہے تو اسی طرح ہو سکتا ہے کہ وہ اپنا سارا وقت اور اپنی ساری توجہ امتحان دینے میں صرف کرے اور جتنے پرچے بھی اسے دیئے جائیں ان سب پر کچھ نہ کچھ کر کے دکھائے۔

اس طرح اسلام زندگی کے راہبانہ تخیل کو رد کر دیتا ہے اور انسان کے لئے روحانی ترقی کا راستہ دنیا کے باہر سے نہیں بلکہ اس کے اندر سے نکالتا ہے۔ روح کے نشوونما اور بالیدگی اور فلاح و کامرانی کی اصل جگہ اس کے نزدیک کارگاہِ حیات کے عین منجدھار میں واقع ہے نہ کہ اس کے کنارے پر۔

اب ہمیں دیکھنا چاہیئے کہ وہ ہمارے سامنے روح کی ترقی اور تنزل کا معیار کیا پیش کرتا ہے۔ اس سوال کا جواب اسی خلافت کے تصور میں موجود ہے جس کا ابھی میں ذکر کر چکا ہوں۔ خلیفہ ہونے کی حیثیت سے انسان اپنے پورے کارنامۂ حیات کے لئے خدا کے سامنے جواب دہ ہے۔ اس کا فرض یہ ہے کہ زمین میں جو اختیارات اور ذرائع اسے دیئے گئے ہیں انہیں خدا کی مرضی کے مطابق استعمال کرے۔ جو قابلیتیں اور طاقتیں اسے بخشی گئی ہیں ان کو زیادہ سے زیادہ خدا کی رضا حاصل کرنے میں صرف کرے۔ جن مختلف قسم کے تعلقات میں دوسرے انسانوں کے ساتھ اسے وابستہ کیا گیا ہے ان میں ایسا رویہ اختیار کرے جو خدا کو پسند ہے۔ اور اپنی تمام کوششیں اور محنتیں اس راہ میں صرف کر دے کہ زمین اور اس کی زندگی کا انتظام اتنا بہتر ہو جتنا اس کا خدا اسے بہتر دیکھنا چاہتا ہے۔ اس خدمت کو انسان جس قدر زیادہ احساسِ ذمہ داری، فرمانبرداری

اطاعت و فرمانبرداری اور مالک کی رضا جوئی کے ساتھ انجام دیگا اسی قدر زیادہ وہ خدا سے قریب ہوگا اور خدا کا قرب ہی اسلام کی نگاہ میں روحانی ترقی ہے۔ اس کے برعکس وہ جتنا سست، کام چور اور نافرض شناس ہوگا، یا جس قدر سرکش، باغی اور نافرمان ہوگا اتنا ہی وہ خدا سے دور رہیگا، اور خدا سے دوری ہی کا نام اسلام کی زبان میں روحانی تنزل ہے۔

اس تشریح سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسلامی نقطۂ نظر سے دین دار اور دنیا دار دونوں کا دائرۂ عمل ایک ہی ہے۔ ایک ہی کارگاہ ہے جس میں دونوں کام کرینگے بلکہ دین دار آدمی دنیا دار سے بھی زیادہ انہماک کے ساتھ مشغول ہوگا۔ گھر کی چار دیواری سے لیکر بین الاقوامی تعلقات کے چوراہے تک جتنے بھی زندگی کے معاملات ہیں ان سب کی ذمہ داریاں دین دار بھی دنیا دار کے برابر بلکہ اس سے کچھ بڑھ کر ہی اپنے ہاتھ میں لیگا۔ البتہ جو چیز ان دونوں کے راستے ایک دوسرے سے الگ کردیگی وہ خدا کے ساتھ ان کے تعلق کی نوعیت ہے۔ دین دار جو کچھ کریگا اس احساس کے ساتھ کریگا کہ وہ خدا کے سامنے ذمہ دار ہے، اس غرض سے کریگا کہ اسے خدا کی خوشنودی حاصل ہو، اور اس قانون کے مطابق کریگا جو خدا نے اس کے لئے مقرر کر دیا ہے۔ اس کے برعکس دنیا دار جو کچھ کریگا غیر ذمہ دارانہ کریگا، خدا سے بے نیاز ہو کر کریگا، اور اپنے من مانے طریقوں سے کریگا۔ یہی فرق دین دار کی پوری مادی زندگی کو سراسر روحانی زندگی بنا دیتا ہے، اور دنیا دار کی ساری زندگی کو روحانیت کے نور سے محروم کر دیتا ہے۔

اب میں مختصر طور پر آپ کو بتاؤنگا کہ اسلام دنیوی زندگی کے اس منجدھار میں انسان کے روحانی ارتقا کا راستہ کس طرح بناتا ہے۔

اس راستہ کا پہلا قدم ایمان ہے یعنی آدمی کے دل و دماغ میں اس خیال کا بس جانا کہ خدا ہی اس کا مالک، حاکم اور معبود ہے، خدا ہی کی رضا اس کی تمام کوششوں کا مقصود ہے، اور خدا ہی کا حکم اس کی زندگی کا قانون ہے۔ یہ خیال جس قدر زیادہ پختہ اور راسخ ہوگا اتنی ہی زیادہ مکمل اسلامی ذہنیت بنے گی اور اسی قدر زیادہ ثابت قدمی کے ساتھ انسان روحانی ترقی کی راہ پر چل سکیگا۔

اس راہ کی دوسری منزل اطاعت ہے، یعنی آدمی کا بالفعل اپنی خود مختاری سے دست بردار

ہو جانا اور عملاً اُس خدا کی بندگی اختیار کر لینا جسے وہ عقیدۃً اپنا خدا تسلیم کر چکا ہے۔ اِسی اطاعت کا نام قرآن کی اصطلاح میں "اسلام" ہے۔

تیسری منزل تقویٰ کی ہے جسے ہم عام فہم زبان میں فرض شناسی اور احساس ذمہ داری سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ تقویٰ یہ ہے کہ آدمی اپنی زندگی کے ہر پہلو میں یہ سمجھتے ہوئے کام کرے کہ اسے اپنے افکار، اقوال اور افعال کا خدا کو حساب دینا ہے، ہر اس کام سے رک جائے جس سے خدا نے منع کیا ہے، ہر اس خدمت پر کمربستہ ہو جائے جس کا خدا نے حکم دیا ہے، اور پوری ہوشمندی کے ساتھ حلال و حرام، صحیح و غلط، اور خیر و شر کے درمیان تمیز کرتا ہوا چلے۔

آخری اور سب سے اونچی منزل احسان کی ہے۔ احسان کے معنی یہ ہیں کہ بندے کی مرضی خدا کی مرضی کے ساتھ متحد ہو جائے۔ جو کچھ خدا کو پسند ہے، بندے کی اپنی پسند بھی وہی ہو، اور جو کچھ خدا کو ناپسند ہے بندے کا اپنا دل بھی اسے ناپسند کرے۔ خدا جن برائیوں کو اپنی زمین میں نہیں دیکھنا چاہتا بندہ صرف خود ہی ان سے نہ بچے بلکہ انہیں دنیا سے مٹا دینے کے لئے اپنی تمام قوتیں اور اپنے تمام ذرائع صرف کر دے۔ اور خدا جن بھلائیوں سے اپنی زمین کو آراستہ دیکھنا چاہتا ہے، بندہ صرف اپنی زندگی ہی کو ان سے مزین کرنے پر اکتفا نہ کرے بلکہ اپنی جان لڑا کر دنیا بھر میں انہیں پھیلانے اور قائم کرنے کی کوشش کرے۔ اس مقام پر پہنچ کر بندے کو اپنے خدا کا انتہائی قرب نصیب ہوتا ہے، اور اسی لئے یہ انسان کے روحانی ارتقا کی بلند ترین منزل ہے۔

روحانی ترقی کا یہ راستہ صرف افراد ہی کے لئے نہیں ہے بلکہ جماعتوں اور قوموں کے لئے بھی ہے۔ ایک فرد کی طرح ایک قوم بھی ایمان، اطاعت اور تقویٰ کی منزلوں سے گزر کر احسان کی انتہائی منزل تک پہنچ سکتی ہے، اور ایک ریاست بھی اپنے پورے نظام کے ساتھ مومن، مسلم، متقی اور محسن بن سکتی ہے۔ بلکہ درحقیقت اسلام کا منشا مکمل طور پر تو پورا ہی اُس وقت ہوتا ہے جبکہ ایک پوری قوم کی قوم اس راہ پر گامزن ہو، اور دنیا میں ایک متقی و محسن ریاست قائم ہو جائے۔

اب روحانی تربیت کے اُس نظام پر بھی ایک نگاہ ڈال لیجئے جو افراد اور سوسائٹی کو اس طرز پر تیار کرنے

کے لئے اسلام نے تجویز کیا ہے ۔ اِس نظام کے چار ارکان ہیں ۔

پہلا رُکن نماز ہے ۔ یہ روزانہ پانچ وقت آدمی کے ذہن میں خدا کی یاد تازہ کرتی ہے ۔ اُس کا خوف دلاتی ہے ۔ اُس کی محبت پیدا کرتی ہے ۔ اُس کے احکام بار بار سامنے لاتی ہے ۔ اور اس کی اطاعت کی مشق کراتی ہے ۔ یہ نماز محض انفرادی نہیں ہے بلکہ اسے جماعت کے ساتھ فرض کیا گیا ہے تاکہ پوری سوسائٹی مجموعی طور پر روحانی ترقی کی اس راہ پر سفر کرنے کے لئے تیار ہو ۔

دوسرا رکن روزہ ہے جو ہر سال پورے ایک مہینہ تک مسلمان افراد کو فرداً فرداً اور مسلم سوسائٹی کو بحیثیت مجموعی تقویٰ کی تربیت دیتا رہتا ہے ۔

تیسرا رکن زکوٰۃ ہے جو مسلمان افراد میں مالی ایثار، آپس کی ہمدردی اور تعاون کا جذبہ پیدا کرتا ہے ۔ آج کل کے لوگ غلطی سے زکوٰۃ کو "ٹیکس" کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں، حالانکہ زکوٰۃ کی روح ٹیکس کی اسپرٹ سے بالکل مختلف ہے ۔ زکوٰۃ کے اصل معنی نشوونما اور پاکیزگی کے ہیں ۔ اس لفظ سے اسلام یہ حقیقت آدمی کے ذہن نشین کرتا ہے کہ خدا کی محبت میں اپنے بھائیوں کی جو مالی مدد تم کروگے اس سے تمہاری روح کو بالیدگی اور تمہارے اخلاق کو پاکیزگی نصیب ہوگی ۔

چوتھا رکن حج ہے ۔ یہ خدا پرستی کے محور پر اہل ایمان کی ایک عالمگیر برادری بناتا ہے اور ایک ایسی بین الاقوامی تحریک چلاتا ہے جو دنیا میں صدیوں سے دعوتِ حق پر لبیک کہہ رہی ہے اور انشاء اللہ ابد تک کہتی رہیگی ۔

اِسلام کا نظامِ حیات

یہ پانچ نشری تقریریں جن پر ترجمان کا تازہ پرچہ مشتمل ہے عنوان بالا کے ساتھ علیحدہ کتابی شکل میں بھی چھپ گئی ہیں ۔ ضخامت پمفلٹ سائز میں ۴۴ صفحات کتاب کے گرد دبیز ٹائٹل ۔ قیمت ۱۰ / فی نسخہ

مکتبہ جماعت اسلامی، اچھرہ، لاہور

سرورِ عالم کا اصلی کارنامہ

[یہ تقریر ۲ ربیع الاول ۹۶ھ کو ریڈیو پاکستان لاہور سے نشر کی گئی تھی۔ فائدہ عام کے لئے اس میں احادیث کے اصل الفاظ ہم نے ساتھ ساتھ نقل کر دیئے ہیں۔ یہ عربی عبارات نشر نہیں کی گئی تھیں]

دنیا جانتی ہے کہ نبی عربی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم انسانیت کے اس برگزیدہ گروہ سے تعلق رکھتے ہیں جو قدیم ترین زمانہ سے نوعِ انسانی کو خدا پرستی اور حسنِ اخلاق کی تعلیم دینے کے لئے اٹھتا رہا ہے۔ ایک خدا کی بندگی اور پاکیزہ اخلاقی زندگی کا درس جو ہمیشہ سے دنیا کے پیغمبر رشی اور منی دیتے رہے ہیں وہی آنحضرت نے بھی دیا ہے۔ انہوں نے نہ کسی نئے خدا کا تصور پیش نہیں کیا ہے اور نہ کسی نرالے اخلاق ہی کا سبق دیا ہے جو اُن سے پہلے کے رہبرانِ انسانیت کی تعلیم سے مختلف ہو۔ پھر سوال یہ ہے کہ اُن کا وہ اصلی کارنامہ کیا ہے جس کی بنا پر ہم انہیں تاریخ انسانی کا سب سے بڑا آدمی قرار دیتے ہیں؟

اس سوال کا مختصر جواب یہ ہے کہ بیشک آنحضرت سے پہلے انسان خدا کی ہستی اور اس کی وحدانیت سے آشنا تھا مگر اس بات سے پوری طرح واقف نہ تھا کہ اس فلسفیانہ حقیقت کا انسانی اخلاقیات سے کیا تعلق ہے۔ بلا شبہ انسان کو اخلاق کے عمدہ اصولوں سے آگاہی حاصل تھی مگر اسے واضح طور پر یہ معلوم نہیں تھا کہ زندگی کے مختلف گوشوں اور پہلوؤں میں ان اخلاقی اصولوں کی عملی ترجمانی کس طرح ہونی چاہیئے۔ خدا پر ایمان، اصولِ اخلاق اور عملی زندگی، یہ تین الگ الگ چیزیں تھیں جن کے درمیان کوئی منطقی ربط، کوئی گہرا لازم اور کوئی نتیجہ خیز رشتہ موجود نہ تھا۔ یہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جنہوں نے ان تینوں کو ملا کر ایک نظام بنا دیا اور ان کے امتزاج سے ایک مکمل تہذیب و تمدن کا نقشہ محض خیال کی دنیا ہی میں نہیں بلکہ عمل کی دنیا میں بھی قائم کر کے دکھا دیا۔

انہوں نے بتایا کہ خدا پر ایمان محض ایک فلسفیانہ حقیقت کے مان لینے کا نام نہیں ہے بلکہ اس ایمان کا مزاج اپنی عین فطرت ہی کے لحاظ سے ایک خاص قسم کے اخلاق کا تقاضا کرتا ہے اور اس اخلاق کا ظہور انسان